# سیدہ جعفر: فلسفیانہ تنقید اور شگفتہ بیانی

ناقدین کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں اور تنقیدی رویے ہیں۔بعض تنقید نگار اپنے رویے اور رجحان کے حصار میں ہی قید ہو جاتے ہیں، کچھ اس حصار سے باہر نکل آتے ہیں۔سیدہ جعفر کا شمار آخر الذکر میں ہوتا ہے۔ان کے تنقیدی رویے میں امتزاجیت کا عنصر ہے۔نقد کے تمام رویے اور رجحانات پر ان کی گہری نظر ہے۔

سیدہ جعفر مشرقی شعریات (سنسکرت جمالیات، عربی، فارسی اور کلاسیکی اردو ادب کی تنقید) سے شروع کر کے رومانی تنقید (صوفیانہ اور فلسفیانہ ادب کی تنقید کے حوالے سے)، مابعد جدید تنقید، اکتشافی تنقید اور تانیثی تنقید وغیرہ سے متعلق مباحث میں اپنے تنقیدی جوہر کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔اب تک تیس کتابیں اور بیسیوں مضامین شائع ہو چکے ہیں جو ان کے تنقیدی تحرک کا ثبوت ہیں۔

پروفیسر سیدہ جعفر کا تنقیدی اندازِ فکر فلسفیانہ معلوم ہوتا ہے۔انہوں نے ایک مضمون ''قرۃ العین حیدر کا تصوّرِ وقت'' میں فکشن کی مشہور تکنیک ''شعور کی رو'' کو وقت کے فلسفیانہ تصور سے وابستہ کیا ہے جس میں 'وقت' گھڑی کے نظام کے تابع نہیں ہے بلکہ اقبال کے لفظوں میں ''ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات''۔یعنی وقت تعینات سے ماورا ہے کیوں کہ (بقول اقبال) ہماری یہ بیکراں دنیا وقت کے بحرِ ذخار میں مثل ایک ماہی نیم تاب کے تیرتی پھر رہی ہے۔حدیث قدسی بھی ہے کہ ''زمانے کو برا نہ کہو کہ میں ہی زمانہ ہوں''۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے فکر اقبال میں لکھا ہے کہ ''اقبال زمانہ کو مجرد و سا کن نہیں سمجھتا بلکہ یہ ایک تخلیقی حرکت کا نام ہے۔سیدہ جعفر نے قرۃ العین حیدر کے تمام ناولوں میں موجود شعور کی رو پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کا اطلاق وقت کے اسی تصور پر کیا ہے۔اپنی باتوں میں اور دلیلوں میں زور اور توانائی پیدا کرنے کے لیے علامہ اقبال برگساں اور دوسرے مغربی فلسفیوں کے حوالوں کی روشنی میں تصورِ وقت کے موضوع پر جس طرح سیدہ جعفر نے بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی رویہ فلسفیانہ اور مطالعہ وسیع ہے۔

سیدہ جعفر نے ''غالب: محشرِ خیال'' میں اس بات پر زور دیا ہے کہ غالب نے فلسفے کے کسی مخصوص پہلو پر اصرار نہیں کیا ہے پھر بھی انہوں نے غالب کی شاعری میں موجود فلسفیانہ عناصر پر تنقیدی بحث کی ہے۔انہوں نے غالب کی شاعری کے متعلق یہ کہہ کر ''غالب کی شاعری حیات کی رمز شناسی میں مضمر ہے'' یا ''تصوف غالب کا ایک اندازِ فکر تھا اور وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس زاویئے اور اس سطح سے زندگی کیسی نظر آتی ہے خود اپنے تنقیدی رویہ کو واضح کر دیا ہے۔کیوں کہ حیات کے رمز شناس یا تصوف کے زاویئے سے زندگی کا مشاہدہ کرنے والے شاعر کا فلسفی اور اس موضوع کو زیرِ بحث لانے والا ناقد کا approach فلسفیانہ ہونا لازمی ہے۔انہوں نے غالب کی شاعری میں مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے سوالات، تشکیک، استعجاب اور تلاش و جستجو کے میلانات پر جس طرح اظہار خیال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنقید کی واضح رجحان کیا ہے۔سیدہ جعفر کا خیال ہے کہ غالب نے بھی تجسس کی مدد سے زندگی کی راز کو سمجھ لیا تھا انہوں نے لکھا ہے:

''زندگی کی اصل حقیقت تغیر مسلسل اور دائمی گریز پائی اور سیمابیت ہے۔ زندگی کا سفر مسلسل ہے مناظر بدلتے رہتے ہیں اور ان کی تبدیلی کی سرعت سے سفر کی حقیقت اور اس کے مقاصد میں تبدیلی نہیں آتی۔ عمل اور ردعمل، حرکت وسکون اور متضاد محرکات کی کارفرمائی زندگی کی تکمیل اور اس کی سا لمیت کا اظہار ہے۔'' (تفہیم وتجزیہ، ص-282)

سیدہ جعفر کے فلسفیانہ بیانات سے ان کی سوچ کی کڑیاں یونانی فلسفیوں سے ملتی ہیں۔ یونانی فلسفیوں کے مطابق فلسفہ میں جس قدر سوال پیدا ہوتے رہتے ہیں اسی قدر اس کی جانب سے اطمینان بخش جوابات کا امکان پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس طرح فلسفہ زندہ رہتا ہے اور پنپتا ہے۔ افلاطون نے بھی فلسفہ کے دائرہ کار کو حیرت پر منطبق کیا تھا۔ اس نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف Theaetetus میں لکھا ہے کہ حیرت کا جذبہ کسی بھی فلسفہ کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ فلسفیانہ تفکر کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نقطۂ آغاز موجود نہیں۔ سیدہ جعفر نے غالب کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے انہیں نکات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک دوسرے مضمون ''کلام غالب کی آفاقیت'' میں آئنسٹائن کے حوالے سے بھی کی ہے:

''جرمنی کے مفکر آئنسٹائن نے کہا تھا وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لئے نہیں ٹھہرتا اور اس پر تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہیں۔ خالق ومخلوق کی حقیقت میں ایک ازلی اور ابدی رشتہ موجود ہوتا ہے اور صوفیاء کی نظر لاموجود الا اللہ کا جلوہ دیکھتی ہے۔''
(تفہیم وتجزیہ، ص-282)

سیدہ جعفر نے انسانی وجود اور کائنات کے متعلق غالب کے اشعار پر اظہار خیال کرتے ہوئے وجود کی شیرازہ بندی کے لئے فنا وبقا، حیات وممات، نور وظلمت اور تعمیر وتخریب جیسے متضاد حقیقتوں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے ارسطو کے اس تصوّر کو پیش کیا ہے جس میں اس نے ہیولیٰ اور صورت کو لازم وملزوم قرار دیا تھا جس کی تائید جرمن فلسفی ہیگل نے بھی کی تھی۔

تانیثیت جدید تنقید کا اہم موضوع ہے۔ سیدہ جعفر نے اس موضوع پر اپنی منفرد شناخت قائم کی ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون ''اردو ادب میں تانیثیت کا رجحان'' میں تانیثیت کے کثیر المعانی جہات اور اس رجحان کے وجود میں آنے کے وجوہات پر جس طرح روشنی ڈالی ہے اور اس کے آغاز وارتقا میں جن مفکرین کے حوالے دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ادب میں تانیثیت کے رجحان کو فروغ دینے میں ان کا اہم رول رہا ہے۔ اردو کے تانیثی ادب کے فروغ میں جن خواتین تخلیق کاروں نے حصہ لیا ہے ان کی تخلیقات کی روشنی میں عورتوں کو موجودہ سماجی نظام سے برسرِ پیکار ہونے، روایت کو توڑنے، مروجہ نظام کو رد کرنے اور سماج میں اپنی شناخت قائم کرنے کی آرزوؤں کی وضاحت کی ہے۔ عورتوں کی حمایت میں انہوں نے اپنے مضمون میں The First Sex جیسی کتابوں کے اقتباسات کوٹ کر کے دماغی ساخت اور زبان کے اعتبار سے عورت کی اہمیت کو مسلّمہ قرار دیا ہے۔

ہیلن فشر کے بیانات کی تائید کرتے ہوئے انہوں نے اپنے موقف کا اظہار کر دیا ہے کہ ادب کے موجودہ منظر نامے میں خواتین تخلیق کاروں کی از سرِ نو قدر شناسی اور تنقید کے مرد غالب رجحان میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس سے تانیثیت کے متعلق ان کے نظریے کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

سیدہ جعفر کی تنقید میں رومانیت کی آمیزش کا بھی احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے فیض احمد فیض کی شاعری کا امتیازی وصف ان کی شاعری میں موجود حقیقت اور رومانیت کا حسین مرقع قرار دیا ہے۔ سیدہ جعفر کے مطابق فیض احمد فیض کی شاعری کا خمیر سرفروشی اور رومانیت کے اتصال سے اٹھا ہے جس سے فیض کے شاعرانہ مسلک کی دورنگی نہیں جامعیت کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے فیض کی شاعری میں اس حصّے کو بہتر اور جاندار قرار دیا ہے جس میں شاعری خطابت

کے بجائے دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی آواز معلوم ہوتی ہے۔اس بیان سے سیدہ جعفر شاعری میں کلاسکی اصول وضوابط کی پیروکار معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ 12 صدی ہجری کا عالم عروض شمس قیس رازی نے بھی ہرن اور شکاری کتّے کی تمثیل کو بیان کرنے کے بعد کہا تھا کہ شاعر کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز شعر کی اصل روح ہے جو سننے والے کے موڈ کو بدل دے۔

سیدہ جعفر نے فراق کی شاعری اور خاص کر ان کی رباعیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان کی ہزاروں سال پرانی تہذیب، سنسکرت جمالیات اور دکنی ادب پر جس طرح سے روشنی ڈالی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادب کا مطالعہ تہذیبی پس منظر میں کرتی ہیں۔وہ ہندوستان کی قدیم شعری روایت اور تہذیب سے انحراف کی قائل نہیں ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کی پرانی تہذیب اور قدیم شعری روایت سے رشتہ قائم رکھتے ہوئے ادب کی تخلیق جدید تقاضوں کے مطابق کرنی چاہئے۔ان کا خیال ہے کہ فراق کی شاعری بعض عروضی کوتاہیوں کے باوجود مقبول ومشہور ہوئی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فراق کی شاعری کی جڑیں ہندوستان کی ہزاروں سال پرانی تہذیب سے جا ملتی ہیں۔اسی لیے فراق کی شاعری میں ہندوستان کی مٹّی کی سوندھی سوندھی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔فراق کے یہاں جنس کا جذبہ اکثر عشق کی بھٹی میں تپ کر نکھر گیا ہے لیکن بقول سیدہ جعفر'' کلام فراق میں جہاں جنسی جذبے کو عشق کی بھٹی میں تپ کر کندن بننے کا موقع نہیں مل سکا اور جہاں وہ تخلیقی حسیت سے پوری طرح ہم آمیز نہیں ہوسکا ہے، فراق کے اشعار کی شعری توقیر پر آنچ آ گئی ہے''۔انہوں نے اپنی بات کی تائید میں فراق کا بیان کوٹ کیا ہے:

> ''جنسی یا شہوانی محرکات کا شعر میں اظہار عموماً عشقیہ شاعری سمجھا جاتا ہے۔لیکن جس طرح کوئلہ کو ہیرا نہیں سمجھا جاتا اگرچہ کوئلہ مدت دراز میں آفتاب کی تابندگی اپنے اندر جذب کر کے ہیرا بن جاتا ہے۔اسی طرح شہوانی اور جنسی جذبہ بھی جب تک عشق کے عناصر اپنے اندر جذب نہ کرلے عشقیہ جذبہ نہیں کہلاتا۔''
>
> (کتاب نما، اگست 2010، ص-16)

سیدہ جعفر کے مطابق دکنی ادب میں قدیم ہندوستان کی لوک کتھاؤں، لوک گیتوں اور اساطیری علامتوں کے جو تصورات ہیں وہ تصورات فراق کی شاعری میں بھی موجود ہیں۔فراق کی شاعری قاری کے دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے کیوں کہ ہم سب صدیوں سے اسی تہذیبی اور جمالیاتی تصورات سے ذہنی طور پر جڑے ہوئے ہیں۔فراق کی شاعری میں زیر بحث خصوصیات کی بنا پر سیدہ جعفر نے انہیں شرینگاررس اور جمالیاتی شعور کا فنکار قرار دیا ہے۔ماہر سنسکرت جمالیات ابھینو گُپت کے حوالے سے ''سرینگاررس'' اور ''رتی بھَو'' کی تعریف وتوضیح سیدہ جعفر نے پیش کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت جمالیات سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ان کا خیال ہے کہ شرینگاررس کا پہلا بھاؤ رتی بھاؤ فن اور ادب میں سرایت کر کے انہیں لمسیاتی آب ورنگ اور جمالیاتی حس یعنی ''سوندریابودھ'' عطا کرتے ہیں۔''سوندریابودھ'' کی اصطلاح پر اظہار خیال کرتے ہوئے ''ستیم شیوم سندرم'' کے تصور کو عظیم اور آفاقی شاعری کا درجۂ کمال مانا ہے۔سیدہ جعفر نے شاعری میں آہنگ، موسیقی اور رقص کی آمیزش سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے بہترین شاعری قرار دیا ہے۔ہندوستانی فکریات کے آئینے میں انہوں نے کہا ہے کہ دنیانٹ راج یعنی شیو جی کے رقص سے قائم ہے۔سرینگاررس پر رقص کے اثرات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کیا خوب لکھا ہے کہ ''رومانی فکر'' سوندریا آنند'' سے مستفید ہوتی ہے تو رقص اور سنگیت کی توانائی سرینگاررس کے نشاط وانبساط کو وسعت اور تعمق عطا کرتی ہے۔''مختصر یہ کہ شاعری کے لئے وہ لفظوں کے آہنگ اور زیروبم کو ضروری سمجھتی ہیں کیوں کہ لفظوں کے آہنگ اور زیروبم سے شعر میں موسیقیت پیدا ہوتی ہے اور ہندوستانی طرز فکر کے اعتبار سے موسیقی کائناتی حسن کا رمز ہے۔اسی لئے سیدہ جعفر نے حضرت امیر خسرو کے بیان سے اتفاق کیا ہے کہ ہندوستانی موسیقی ایک آگ ہے جو قلب ونظر کو جلاتی ہے۔ان کا یہ خیال بھی بہت بلیغ ہے کہ ایک نقطے پر پہنچ کر فنون لطیفہ میں سنگیت اور رقص کا فن ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں کیوں کہ ان میں ایک داخلی ربط موجود ہوتا ہے۔ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فراق کی شاعری کے متعلق ان کا یہ بیان کہ ''فراق نے نغمہ آہنگ اور جمالیاتی حس کے جو پیکر تراشے ہیں وہ دلفریب اور نظر نواز ہی نہیں شعور اور احساس کی

گہرائیوں میں اتر جانے والی امیج ہے'' کتنا معنی خیز ہے۔فراق کی شاعری میں رات کی کیفیت نے سیدہ جعفر کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔اس لئے انہوں نے رات کی کیفیت پر بھی عالمانہ بحث کی ہے۔انہوں نے فراق کو شب گزیدہ شاعر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ رات کی کیفیتیں اور رات کی رمزیت جس طرح فراق کے اشعار میں فضا باندھتی ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتی۔انہوں نے رات کی کیفیتوں اور رنگینیوں کے متعلق فن مصوری کے ماہرین کے حوالے سے لکھا ہے:

''دن میں اتنے رنگ نظر نہیں آتے جتنے رات میں دکھائی دیتے ہیں۔آمد شب کے اہتمام سے ابتدا کیجئے تو شفق کا سنہری، نارنجی، زردی مائل کبود، سرخ اور نیلگوں رنگ، رات کا سرمئی اور سیاہ رنگ، چاندنی کی دلفریب اور اجلی رنگ۔یہ تمام رنگ اپنی مخصوص کیفیات اور تاثرات کے ساتھ انسان کے جذبات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔جس کی ترسیلی توانائیوں سے مصور اور شاعر زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔'' (کتاب نما، اگست 2010، ص-10)

اس بیان کی روشنی میں وہ کہتی ہیں'' رات کا سناٹا، اضطراب،'' دیدۂ نمناک'' میں لہراتا ہوا کوئی پیکرِ واہمہ (Fantasy) اور تصور کے پردے پر نظر آ کے چھپ جانے والی معطر پرچھائیں، یہ شبِ فرقت کا قیمتی اثاثہ ہے''۔رات کی کیفیت کے حوالے سے سیدہ جعفر نے فراق کی شاعری کا معنیٰ خیز تجزیہ کیا ہے۔

جمالیاتی تنقید میں بھی سیدہ جعفر کو دسترس حاصل ہے۔اپنے ایک مضمون'' جمالیاتی آگہی کا مصنف: شکیل الرحمٰن''میں جمالیات کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ جمالیات، فلسفہ کا ایک شعبہ ہے۔انہوں نے ادب اور جمالیات کے درمیان جو رشتہ ہے اس کی تفہیم کا تعلق دانشوری اور تنقیدی شعور سے کیسے ہے، جمالیات کا پہلا مفکر بام گارٹن نے فنون لطیفہ میں جمالیات کے تفاعل اور اس کے دائرہ کار کی وسعتوں سے کیا نتیجہ اخذ کیا، اسی طرح ہیگل نے حسن اور حسن کاری کے وسیلے سے جمالیات کا مطالعہ کیسے کیا وغیرہ اہم موضوعات سے بحث کی ہے۔انہوں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارے کیے ہیں کہ مختلف محرکات، ماحول، ذہنی تربیت اور افتادِ طبع کے زیر اثر ہوتے ہیں اس اثر آفرینی کے درجات متعین کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے جمالیات سے بحث کرتے ہوئے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مختلف علاقوں کی تہذیبی روایت کے زیر اثر جمالیات کا تصور بدلتا رہتا ہے مثلاً جنوبی ہندوستان میں بت تراشی کے نادر نمونوں میں بدن کا گداز اور ان کی گولائی، ایران میں بلندی، نفاست اور محبوب کے لئے صنوبر کا استعارہ، افریقہ میں سیاہ رنگ، موٹے ہونٹ اور چپٹی ناک والی محبوبہ جمالیات کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی مانی جاتی ہیں۔

سیدہ جعفر نے اردو کے ماہر جمالیات شکیل الرحمٰن کی تخلیقات کی روشنی میں ان کی جمالیاتی تنقید کا جائزہ لیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شکیل الرحمٰن نے فنون لطیفہ (مثلاً موسیقی، رقص، سنگ تراشی، فن تعمیر اور شاعری) میں جمالیات کی جو تفہیم و تعبیر پیش کی ہے اس سے ان کی شناخت ایک ماہر جمالیات یا جمالیاتی آگہی کے مصنف کی شکل میں ہو جاتی ہے۔

شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی تنقید کے مختلف پہلوؤں پر متعدد دانشوروں، فلسفیوں اور مختلف علوم کے ماہرین کے تصورات اور اقتباسات کے حوالے کی روشنی میں جس طرح تفصیل سے سیدہ جعفر نے مدلل اظہار خیال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمالیاتی تنقید پر بھی ان کی نظر عمیق ہے۔

سیدہ جعفر نے برطانوی نژاد فکشن نگار Somerset Maugham کے فکر و فن پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسے انسانی فطرت اور نفسیات کے پیچیدہ اور حیران کن رموز کو آشکار کرنے والا فنکار قرار دیا ہے۔انہوں نے Somerset Maugham کے ایک ناول "Moon and six pence" میں آرٹ، عورت، محبت، اخلاقی ضوابط اور سماج کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔اس ناول کے ہیرو اسٹرک لینڈ اور اس کی بیوی کے

درمیان کے تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے ازدواجی زندگی کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی کبھی انسان ازدواجی زندگی میں شب وروز ایک دوسرے کی محبت میں بسر کرنے کی وجہ سے دونوں اپنی شخصیت کی جاذبیت اور کشش سے محروم ہونے لگتے ہیں۔سیدہ جعفر نے اسے انسانی نفسیات کی بوالعجبی اور انسانی جذبات کے ایک عجیب وغریب تفاعل سے تعبیر کیا ہے۔انہوں نے Somerset Maugham کے اس ناول کا مقابلہ ہندی کے فکشن نگار گل شیر خان ثانی کی تخلیق ''آنکھیں'' سے کیا ہے اور اس کی روشنی میں لکھا ہے کہ:

''انسان فطرتاً تازگی پسند واقع ہوا ہے۔ازدواجی زندگی میں کبھی کبھی گزرتے ہوئے ماہ وسال تازگی مٹا کر جذبے کو پژمردہ اور حس کو کند کر دیتے ہیں اور زندگی میں یکسانیت اور بے کیفی کا احساس شدید ہونے لگتا ہے۔اس لیے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی فریقین جذباتی طور پر دور ہو جاتے ہیں۔''

(اردو دنیا،مئی 2010،ص-21)

Somerset Maugham کے اس ناول کا ہیرو اسٹرک لینڈ جو ایک مصور تھا اپنی بیوی کو چھوڑ کر South seas چلا جاتا ہے اور اپنے کاٹج کی دیواروں پر جنت کی تصویر کھینچ کر اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اس کی موت کے بعد اس کے کاٹج کو آگ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔سیدہ جعفر نے اس کے شاہکار آرٹ کی تعریف وتجزیہ کرتے ہوئے رنگوں اور تصویروں کو لفظوں کے مقابلے میں بہتر اظہار کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اس سلسلے میں نقادوں اور کہاوتوں کے حوالے سے لکھا ہے:

''آرٹ کے بعض نقادوں کا خیال ہے کہ تصویر میں لفظ سے زیادہ گویائی اور قوت ترسیل موجود ہوتی ہے۔ انہوں نے لفظ پر رنگ کو ترجیح دی ہے۔ایک قدیم چینی کہاوت ہے کہ ایک تصویر دس ہزار الفاظ سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔رفائیل، قاسم، میرک، عبدالرحمٰن چغتائی، صادقین اور مقبول فدا حسین کا آرٹ اپنی تاثر آفرینی کی وجہ سے اہلِ نظر کے دل کی دھڑکن بن گیا ہے۔'' (اردو دنیا،مئی 2010،ص-21)

سیدہ جعفر اعلیٰ درجے کے اشعار کی تخلیق کے لئے علامتوں کے استعمال کو ضروری سمجھتی ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ شعر کی قدر و قیمت کی کسوٹی بھی ہے۔انہوں نے بجا کہا ہے کہ دوسرے اصناف کے مقابلے میں غزل کے اشعار میں علامت کی اہمیت زیادہ ہے کیوں کہ اس کی تہداری، رمزیت اور لچک نئے نئے مفاہیم کے دروازے کھول دیتی ہے۔انہوں نے فرائڈ، ولیم جیمز، پرل اور مرفی جیسے مفکرین کے اقتباسات کی روشنی میں علامت کو ایک وسیع اور ہمہ گیر ادبی پیکر سے تعبیر کیا ہے جس کی وسعتوں میں دوسری شعری حقیقتیں جذب ہو جاتی ہیں۔اسی لئے ان کا خیال ہے کہ قاری شاعر کے ذریعہ استعمال کی گئی علامتوں سے نئے مفاہیم ومعنی کی ایک دنیا آباد کر سکتا ہے۔مثال کے طور پر انہوں نے غالب کی شاعری کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ غالب لفظیات کا رشتہ نئے علامتی ادراک اور نئی شعری آگہی سے جوڑ دیتے ہیں تو غالب کی عظمت کے نئے پہلو روشن ہونے لگتے ہیں۔انہوں نے William york Tindall کی کتاب The literary symbol کے حوالے سے علامت کی معنویت کو قاری کی حسیت اور ذہانت کا رہین منت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسی وجہ سے جدید دور میں شاعری کے مطالعے کی نوعیت Reader Oriented ہو گئی ہے۔

سیدہ جعفر نے اسلوبیاتی تنقید کے ناقدین مسعود حسین خان، مغنی تبسم، مرزا خلیل بیگ اور گوپی چند نارنگ کے تصوّر تنقید پر سیر حاصل بحث کی ہے۔انہوں نے اردو میں اسلوبیاتی تنقید کے بانی مسعود حسین خان کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسعود حسین خان نے تنقید میں متن کی کلیدی اور بنیادی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔انہوں نے اقبال، غالب اور فانی کے کلام کا تجزیہ جس نظریے کے تحت پیش کیا اس سے انہیں جدید ہیئتی تنقید اور ادبی اسلوبیات کا بانی تصوّر کیا گیا۔انہوں نے شعر کی معنیاتی سطح تک پہنچنے کے لیے اس کی صوتی، صرفی اور نحوی سطحوں سے گذر کر ان کا تجزیہ کرنے کی ضرورت

پر زور دیا ہے۔ سیدہ جعفر نے مسعود حسین خان کے اس بیان سے اتفاق کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ علمائے بلاغت شعر میں لفظوں کی جھنکار اور اس کی صوتی قدر و قیمت، ترنم اور آہنگ کے قائل شروع سے رہے ہیں۔ سیدہ جعفر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اشارہ کر دیا ہے کہ مسعود حسین خان نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ سیدہ جعفر گیان چند جین اور بعض دوسرے ادیبوں سے متفق نہیں ہیں۔ البتہ وہ گوپی چند نارنگ کے خیالات سے اتفاق کرتی ہیں کہ ''اس پیرایہ تنقید میں آوازوں کے نظام، الفاظ کے استعمال، اسماء اور افعال کے تناسب اور علم بدیع و بیان کے مختلف اجزا کا مطالعہ کر کے اسلوب کی خصوصیات کے تعین میں مدد لی جاتی ہے۔ اپنی علمی بنیادوں، معنویت اور انفرادیت کے باوجود اسلوبیات جامع تنقید نہیں ہے۔''

سیدہ جعفر نے اسلوبیاتی تنقید، اس کے ناقدین کے تصورات اور ان تصورات کے معترضین کے اعتراضات پر جس طرح تنقیدی بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصر تنقید کے مختلف رویوں اور رجحانات پر ان کی نظر گہری ہے۔

سیدہ جعفر جدید تنقید کو قدیم کلاسیکی ادب کی روشنی میں دیکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم کلاسیکی ادب کے اصول و ضوابط جدید تنقید کا سرچشمہ ہیں۔ گوپی چند نارنگ کی تنقیدی ترجیحات پر تبصرہ کرتے ہوئے سنسکرت قواعد کے موجد پانی کو سوسیئر اور بودھی مفکر ناگرجن کو جودریدا کا پیشرو قرار دیا ہے اور ساختیات سے متعلق سوسیئر کے تصورات اور پانی کے اصول و ضوابط، دریدا کی ردّتشکیل اور ناگرجن کے تصورِ شونیہ جو مماثلت دریافت کی ہے اس پر سیدہ جعفر نے اپنے منفرد انداز میں اچھا تبصرہ کیا ہے۔ عربی ادب کے مفکرین ابن قتیبہ، جاحظ اور قدامہ بن جعفر کے نظریۂ لفظ و معنی اور فارسی کے ماہرین شعریات سمرقندی اور وطواط کے تصور عروض اور صنائع و بدائع پر سیدہ جعفر نے جس طرح روشنی ڈالی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی شعریات سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ ادب میں زبان کے استعمال اور اظہار کے سلسلے میں سوسیئر نے لانگ سے کیا مراد لیا ہے۔ اسی طرح رولاں بارتھ کا یہ نظریہ کہ زبان بولتی ہے انسان نہیں بولتا یا ملارمے کا یہ قول کہ تحریر لکھتی ہے ادیب نہیں وغیرہ سے گوپی چند نارنگ نے کس حد تک اتفاق کیا ہے یا ان سے انحراف کیا ہے وغیرہ مسئلوں پر سیدہ جعفر نے جس طرح سے بحث کی ہے اور اپنی رائے دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مابعد جدید تنقید بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔

حامدی کاشمیری کا خیال ہے کہ اشعار پر پڑے ہوئے، علامت کے پردے کو ہٹانے کا کام اکتشافی ناقدین کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے لکھا ہے کہ شاعر لفظ و پیکر کے علامتی برتاؤ سے تجربات کے جو 'رنگ محل' تعمیر کرتا ہے ان کے ''طلسمی دروازوں'' کو کھولنا اکتشافی تنقید کا مقصد ہے۔

سیدہ جعفر نے علامت کے معنی و مفہوم، اوصاف اور شاعری میں اس کی اہمیت اور حسن کے متعلق مختلف مفکروں کے حوالوں کی روشنی میں جس طرح بحث کی ہے وہ ان کی وسعت مطالعہ اور گہری تنقیدی نظر کا مظہر ہے۔

سیدہ جعفر نے اکتشافی تنقید کے محرک حامدی کاشمیری کے تصوّر تنقید پر بحث کرتے ہوئے اکثر ان سے اختلاف کیا ہے اور ان کے بعض بیانات کو رد کر دیا ہے۔ مثلاً اکتشافی تنقید کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے حامدی کاشمیری نے کہا تھا کہ متن آوازوں، پیکروں اور خاموشیوں سے گہرے طور پر جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہم آوازوں کے حوالے سے اسلوبیاتی تنقید اور پیکروں کے اعتبار سے ہیئت پرستوں اور رومانیت پسندوں کے طرز فکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن خاموشیاں بین السطور مفہوم اور تاثر ہے جو گفتن اور ناگفتن کے ربط کا مظہر ہے۔ حامدی کاشمیری کے ان خیالات کو رد کرتے ہوئے سیدہ جعفر نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ تنقید اگر محض نزول پر منحصر ہے تو مطالعے، تجزیے اور شعری تجربے سے آشنائی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ کیا تنقید کا عمل شعوری نہیں ہوتا؟ وغیرہ وغیرہ۔ سیدہ جعفر نے حامدی کاشمیری کے ان بیانات کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں انہوں نے اقبال اور غالب کے دیباچہ میں کہا تھا کہ وہ تخلیق کے اجزائے ترکیبی مثلاً پیکر، علامت اور صوتی اثرات سے تشکیل پانے والی ہیئت میں تجربے کی نمو پذیری کے عمل کی شناخت کرتے ہیں۔ سیدہ جعفر نے ان کے تمام بیانات کی روشنی میں یہ کہہ کر کہ حامدی کاشمیری کے بعض بیانات ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں، ان کے تصور تنقید کو رد کر دیا ہے۔ سیدہ جعفر نے حامدی کاشمیری کے ان بیانات پر بھی سخت تنقید کی ہے جن میں حامدی کاشمیری نے کہا تھا کہ شاعری نہ زندگی کا ترجمان ہے نہ

تنقید حیات کا۔ یہ نہ زندگی اور فطرت کی عکاسی کرتی ہے اور نہ کوئی پیام دیتی ہے نہ زندگی بسر کرنے کا نسخہ۔ یہ نہ لوگوں کے انفرادی یا اجتماعی مسائل، دلچسپیوں اور نہ ان کے تعصّبات سے ان کی اخلاقی یا ذہنی گتھیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتی ہے۔ ان بیانات پر اعتراض کرتے ہوئے سیدہ جعفر نے لکھا ہے:

> ''حامدی کاشمیری نے اپنے اس بیان میں ادب کے تہذیبی وسماجی تناظر سے بے تعلقی، اخلاقی اقدار سے بے نیازی اور ادب کی زندگی سے عدم وابستگی پر زور دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ادب میں تہذیبی پس منظر اور روح عصر کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں اور عصری حسیت کو غیر اہم تصوّر کرتے ہیں۔''
> (تفہیم وتجزیہ، ص۔321)

سیدہ جعفر کے اعتراضات درست ہیں اور ان کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ثقافتی تنقید کی قائل ہیں۔

سیدہ جعفر کے تنقیدی مضامین میں خاص بات یہ ہے کہ فلسفہ جیسے دقیق مسئلوں کو اکثر زیر بحث لایا گیا ہے لیکن ان کی تحریروں کو پڑھ کر اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا کیوں کہ انہوں نے فلسفیانہ تنقید میں شاعرانہ زبان کا استعمال کیا ہے۔ انہوں نے غالب اور اقبال، فیض، فراق اور کلاسیکی شعرا کے بعض اشعار، ترکیبیں اور اصطلاحات کو اپنی تحریروں میں جذب کرلیا ہے جس سے ان کی تنقیدی زبان میں وہی روانی، شیرینی اور کیفیت پیدا ہوگئی ہے جو ان شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

**Residence: 262-D, Shipra Sun City, Indirapuram, Ghaziabad-201014**
**Mobile No: 09911796525**
**Website:people.du.ac.in/~aahmad**